نورالعین واقف

پروفیسر غلام ربانی عزیز

نورالعین نام اور واقف تخلص تھا ۔ والد کا نام امانت اللہ تھا ۔ بٹالہ کے قاضی تھے اور معززین شہر میں سے شمار ہوتے تھے ۔ مخزن الغرائب کے مؤلف لکھتے ہیں کہ قاضی صاحب کی وفات عجیب حالات میں ہوئی ۔ وہ ایک مکان تعمیر کرا رہے تھے ۔ مزدور اور راج اپنے اپنے کام کاج میں مصروف تھے ۔ اتنے میں ایک نجار وہاں آ نکلا اور بغیر پوچھے عمارتی لکڑی کے بنانے سنوارنے میں لگ گیا ۔ یہ شخص دیوانہ تھا ۔ جب مزدوروں نے دیکھا تو شیخ سے درخواست کی کہ وہ کسی طرح اس دیوانے کو یہاں سے ہٹا دیں کیونکہ وہ ایک ایسا خطرناک دیوانہ تھا جو موقع پاتے ہی حملہ کر دیتا اور اکثر جان لیوا ثابت ہوتا ۔ قاضی صاحب نے دیکھا کہ نجار چپ چاپ بغیر کسی سے تعرض کیے اپنے کام میں مصروف ہے ۔

خلاف مروّت معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ اس کی دل شکنی کا باعث ہوں ۔ دوپہر کے وقت جب مزدوروں اور معماروں نے کھانا کھانے کے لیے کام بند کیا تو قاضی صاحب آرام کے لیے چارپائی پر لیٹ گئے ۔ مزدور اور معمار چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گئے تھے ، کچھ کھا پی رہے تھے اور کچھ خوش گپیوں میں مشغول تھے ۔ نجار آہستہ سے اٹھ کر قاضی صاحب کے سر پر جا کھڑا ہوا اور تیشے کا ایسا وار کیا کہ سر کے دو ٹکڑے ہوگئے ۔ لوگ ہڑ بڑا کے بھاگے اور گھیر گھار کے نجار کو واقف کے پاس لے گئے ۔ وہ کلیجہ تھام کے رہ گئے ۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا ۔ قاتل دیوانۂ محض تھا ۔ انتقام یا قصاص کا کوئی سوال تک نہ تھا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھی اور نجار کو چھوڑ دیا ۔(۱)

واقف نے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد شعر گوئی کی طرف توجہ کی اور تھوڑی سی مشق کے بعد اچھا خاصہ ذوق پیدا کرلیا ۔ لالہ بھگوانداس

———

۱- مخزن الغرائب : ۳۷۶ ۔

مؤلف سفینۂ ہندی لکھتے ہیں کہ ابتدائی طور پر واقف نے بندرابن خوشگو اور کچھ عرصہ کے لیے آفرین لاہوری سے اصلاح لی ۔ لیکن جلد ہی اُکتا گیا اور پھر سعدی اور امیر خسرو کی غزلوں پر غزلیں کہنا شروع کیں مؤلف آگے چل کر لکھتے ہیں :

''بہر حال عزیز خوش گوی عالی طبیعت بود و کلامش بسیار شستگی دارد ،،۔ (۱)

مجمع النفائس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقف نے خان آرزو سے بھی بذریعہ خط و کتابت اصلاح لینا چاہی ، لیکن وہ ٹال گئے ۔ چنانچہ خان آرزو کی تحریر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''بہ معرفت محمد علی تجرد اخلاص غائبانہ با فقیر آرزو بہم رسانیدہ مکرر درخواست اشعار خود نمودہ ۔ و چون این عاصی ناقص را از تربیت خود فرصت نیست و بخود گمان استادی ندارد ، چند بار ابا نمودہ ، لیکن بہ سبب آنکہ آن مرد عزیز بسیار بضد شدہ یک مرتبہ ہر چہ بخاطر رسید ، نوشتہ فرستاد ۔ ازان باز قریب چہار سال است کہ خط او نرسیدہ ،،۔ (۲)

مصنف(۳) خزانۂ عامرہ لکھتے ہیں کہ واقف نے ان سے ذکر کیا کہ ایک رات اس نے خواب میں مندرجہ ذیل مصرعہ موزوں کیا ع

جام طرب بدست تو لبریز دادہ اند

بیدار ہوا تو مصرعہ ابھی تک ازبر تھا ۔ حسب ذیل گرہ لگائی :

درخندہ اختیار نداری برنگ گل

آزاد بلگرامی سے واقف کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے ۔ چنانچہ وہ اس کے واقعات میں لکھتے ہیں :

''و نیز با فقیر گفت ، کہ وقتی این مصرع بخاطر رسید :

این چراغت بکف از رنگ حنا زود بیا

شش ماہ فکر مصرع دیگر کردم ، و بعد از شش ماہ این پیش مصرع بہم رساندم :

دل ز دستم بہ شبستان غمت گم گردید ،،۔ (۳)

۱- سفینہ ہندی مطبوعہ پٹنہ : ۲۳۱ -
۲- مجمع النفائس : ۱۰۲۳ - ۳- خزانہ عامرہ : ۳۰۰
۳- خزانہ عامرہ : ۳۵۰ -

حاکم رقم طراز ہے کہ واقف سے اول اول اس کی ملاقات شاہ آفرین مرحوم کے مکان پر ، جو معاصر فضلا میں سے تھے ، ہوئی ۔ کچھ عرصہ تو ملاقات کی یہ حالت رہی کہ بزم اغیار میں گاہے سرراہے گاہے ۔ لیکن طبائع کی باہمی مناسبت نے جلد دوستی اور رفاقت کی صورت اختیار کر لی اور آنا جانا شروع ہو گیا ۔ خزانہ عامرہ کے مصنف لکھتے ہیں :

''میان او و شاہ عبدالحکیم حاکم وداد جانی و اتحاد روحانی است ، بہ ارادہ سیر دکن با حاکم از خطۂ پنجاب روان شد ، و بست و نہم رجب سنہ اربع وسبعین ومأتہ و الف (۱۱۷۴ ہجری) وارد اورنگ آباد گردید ، و با فقیر برخورد ، مہذب الاخلاق و مغتنم الوجود است ، بعد یک ہفتہ ہر دو عزیز رخت سفر جانب سورت کشید ،،۔(۱)

دونوں دوست وارد سورت ہوئے تو حاکم کے دل میں زیارت حرمین کا خیال پیدا ہوا ۔ واقف بھی اس سعادت عظمیٰ سے تمتع کا متمنی تھا ۔ لیکن اس کی صحت ایسی نہ تھی کہ اس عہد کی سمندری صعوبتوں کی متحمل ہو سکتی ۔ مجبوراً رکنا پڑا اور اس وقت تک وہیں پڑا رہا جب تک کہ حاکم سفر حج سے واپس نہ آیا ۔ وطن سے دوری ، زیارت حرمین سے محرومی ، نیز احساس تنہائی سے واقف کی حساس طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی ۔ اور اس کی صحت پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہوگئی ۔ حاکم واپس لوٹا تو دونوں نے مراجعت وطن کا ارادہ کیا ۔ ان دنوں کا سفر بڑی جان جوکھوں کا کام تھا ۔ گرتے پڑتے ہر دو مسافر ۱۵ جمادی الاول ۱۱۷۵ھ کو پھر سے وارد اورنگ آباد ہوئے اور تکیہ شاہ محمود میں قیام کیا ۔ واقف کی طبیعت ابھی تک بحال نہیں ہوئی تھی پورے پانچ مہینے وہیں پڑے رہے ۔ اس دوران میں حاکم کے دل میں حیدر آباد کی سیاحت کا خیال آیا ۔ چونکہ واقف کی صحت ایسی نہ تھی کہ وہ حاکم کا ساتھ دے سکتا ۔ اس لیے مجبوراً رفیق عزیز کو حیدر آباد جانے کی اجازت دے دی اور خود بحالی صحت کے لیے وہیں رکا رہا ۔ خزانۂ عامرہ کا مصنف لکھتا ہے :

''حاکم نوزدہم شوال سال مذکور بہ سیر حیدر آباد متوجہ شد ،

۱- خزانۂ عامرہ : ۳۵۱ -

و واقف همیں جا توقف کرد ، و نوزدهم صفر سنهٔ ست و سبعین و مأته و الف (۱۱۷۶ ھ) حاکم به اورنگ آباد مراجعت نمود۔،، (۱)

ان دنوں راستے غیر محفوظ اور سفر حقیقی معنوں میں نمونۂ سقر تھا۔ ڈاکہ ، راھزنی ، چوری چکاری روزمرہ کا معمول تھا۔ اکے دکے مسافر کا تو کیا ذکر ، بڑے بڑے بھاری قافلے اور لمبے چوڑے کارواں دن دھاڑے لٹ جاتے ، اور کوئی پرسان حال نہ ھوتا۔ حاکم اور واقف ان وقائع سے بے خبر نہ تھے ، لیکن گھر بار کی کشش ، دوست احباب کی یاد ، کسی پہلو چین نہیں لینے دیتی تھی۔ دن تو کسی نہ کسی طرح کٹ جاتا لیکن بار ھا ایسا ھوتا کہ پہاڑ سی رات تارے گنتے گزر جاتی آنکھ لگ جاتی تو عزیز و اقارب ، بہن بھائی دھائی دیتے نظر آتے ، کوئی بغل‌گیر ھے تو کوئی دامن گیر ، کوئی ٹانگوں سے لپٹ رھا ھے تو کوئی گود میں بیٹھا ھے۔ غرض دو سال کی متواتر غیر حاضری سے جذبات پر قابو پانے کی کوئی صورت نہ رھی تھی۔ ناچار بوریا بستر لپیٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ رھا۔ بلگرامی لکھتے ھیں:

''دوم ربیع الثانی همیں سال واقف و حاکم هر دو با اراده هند اورنگ آباد را وداع کردند ، و چون شارع متعارف برهانپور و مالوه غیر مامون بود ، راه برار و چتر پور اختیار کردند۔ اتفاقاً مابین اورنگ آباد و بالا پور قطاع الطریق ریخته ساز و سامان و کتابها بغارت بردند و هیچ چیز نماند الا عینک قدری سیماب و وجه همراه بودن سیماب اینکه واقف شوق کیمیا دارد۔،، (۲)

وھاں سے بچ بچا کر بالا پور پہنچے تو بالکل خالی ھاتھ تھے ؛ چونکہ اس علاقے میں آزاد بلگرامی کے سوا کسی اور شخص سے ایسے مراسم نہ تھے کہ اس حالت میں اس سے رجوع کر سکتے۔ لہذا مجبوراً انہیں تمام حالات سے مطلع کیا اور امداد کی درخواست کی۔ آزاد لکھتے ھیں:

''واقف این مطلع و رباعی حسب حال موزون کرد و بقلم آورد:

۱- خزانۂ عامره : ۳۵۱ -

۲- خزانۂ عامره : ۳۵۲ -

عینکی و پارۂ سیماب با ما مانده است
چشم بی خواب و دل بی تاب با ما مانده است

رباعی

کردند غریب غارتی راهزنان ۔ سر ماند و نماند هیچ چیز از سامان
بردند هر آنچه بود الا عینک ۔ وا مانده بما همین دو چشم حیران

فقیر قدری زر سرانجام کرده بطریق هنڈوی بهر دو عزیز ارسال داشت۔،، (۱)

اس اثنا میں واقف کی طبیعت اور خراب ھو گئی۔ چنانچہ بالا پور سے گولا پور تک پالکی میں سفر کیا۔ مالی حالت اتنی ناگفتہ بہ تھی کہ کہاروں کا کرایہ تک ادا کرنے کی ھمت نہ تھی۔ دوا اور خوراک کے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ چنانچہ با دل ناخواستہ پھر سے آزاد بلگرامی سے رجوع کرنا پڑا۔ اس وفا شعار نے حسب توفیق جو کچھ میسر آ سکا قاصد کے ھاتھ روانہ کیا۔ چنانچہ لکھتے ھیں:

''باز آدم اجیر از گولا پور نزد فقیر فرستادند۔ این بار هم مبلغی به صاحبین مرسل گردید۔،، (۱)

جب ذرا چلنے پھرنے کے قابل ھوا تو وھاں سے ناگپور کا رخ کیا۔ منزل کٹھن اور راستہ دشوار گذار تھا۔ اٹھتے بیٹھتے ، گرتے پڑتے بھزار مشقت وطن کا منہ دیکھنا نصیب ھوا۔ حاکم تو ھوشیار پور چلا گیا۔ لیکن واقف بٹالہ ھی میں جو اس کی جائے پیدائش تھی ، ٹھہر گیا۔

شفیق اورنگ آبادی مؤلف گل رعنا لکھتے ھیں کہ جب واقف اور حاکم سفر واپسی میں وارد ملتان ھوئے تو واقف نے غلام علی آزاد کو گیارہ سو تراسی ھجری کے محرم میں ایک مفصل خط لکھا۔ جو ذی‌الحج کی ۲۱ تاریخ کو اورنگ آباد میں موصول ھوا۔ جس میں اس نے راستے کے تکالیف اور صعوبتوں کا مکمل نقشہ کھینچا ھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ھے کہ کولا پور سے ، جو صوبۂ برار میں واقع ھے ، الہ آباد پہنچنے تک راستے میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان کے تصور سے ھی بدن کے رونگٹے کھڑے ھو جاتے ھیں۔ خدا خدا کر کے الہ آباد پہنچے ، چونکہ اس طویل مسافت سے پاؤں میں ورم آ گیا تھا۔ اس لیے خانقاہ شیخ محمد فاخر میں کلفت سفر اتارنے کے لیے ٹھہر گئے اور شاہ غلام قطب الدین مصیبب کی زیارت

۱- خزانہ عامرہ : ۳۵۲ -

کی ۔ یہاں بھی جناب آزاد کی دوستی کام آئی ۔ چنانچہ جب پیر خانقاہ سے اس امر کا ذکر آیا تو انہوں نے اور زیادہ توجہ فرمائی اور مناسب خاطر و مدارات کی ، الہ آباد سے لکھنئو اور لکھنئو سے ہوتا ہوا پنجاب آیا اور وارد بٹالہ ہوا ۔

دو سال کی غیر حاضری کے بعد واقف جوں جوں وطن کے قریب آتا گیا ہوگا ، پھولا نہ سماتا ہوگا ۔ لیکن جتنے اشتیاق سے آیا تھا ، اتنی ہی شدت سے بیزار ہوگیا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغلوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر سکھوں نے پنجاب میں اودھم مچا رکھا تھا ۔ اب چارۂ کار ہی کیا تھا ۔ قہر درویش بجان درویش ، بقول بابر ''ہر طور کہ دیگر بایستند ما ہم بایستیم ۔،، ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ فکر معاش نے آ گھیرا جہاں سیاسی بد امنی ہو وہاں اقتصادی خوش حالی کا گذر کہاں ۔ پاک پتن کا رخ کیا ۔ لیکن ناکامی سائے کی طرح شریک سفر تھی ۔ وہاں سے بھی نامراد لوٹا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نواب بلند خاں بہادر ، احمد شاہ درانی کی طرف سے کشمیر کے حاکم اعلیٰ تھے ۔ نواب بڑا علم دوست اور وسیع الظرف آدمی تھا ۔ اہل حاجت باریابی پاتے اور کامیاب لوٹتے ۔ واقف نے بھی اپنے قدیم رفیق سفر شاہ عبدالحکیم حاکم کے ساتھ رخت سفر باندھا اور کالے کوسوں کی منزلیں مارتا وہاں جا پہنچا ۔ چنانچہ لکھتا ہے :

''آنچہ در قسمت بود از نقد و قماش برائے بندہ و شاہ عبدالحکیم فرستادند و متوقع رخصتانہ خوب ساختند ۔،،

چند دن ہی گذرے تھے کہ شعرا کی روائتی نحوست نے پر پرزے نکالے ۔ خود تو ڈوبے ہی تھے ، ولی نعمت کو بھی لے ڈوبے ۔ یعنی نواب بلند خاں کو شاہ درانی کے حکم سے معزول کر دیا گیا ۔ نواب اپنا لاؤ لشکر لے کر روانہ ہوا تو واقف اور حاکم بھی ساتھ ہو لیے ۔ حاکم اقامت کشمیر کے دوران میں ضعف معدہ کی وجہ سے پہلے ہی نڈھال ہو رہا تھا ۔ اسی حالت میں وہاں سے کوچ کیا تو بیماری نے زور پکڑا اور نواب کا ساتھ دینا ناممکن ہوگیا ۔ چنانچہ طے پایا کہ باقی لوگ تو سفر جاری رکھیں لیکن واقف اور مزید دو چار احباب حاکم کی تیمارداری کے لیے ٹھہر جائیں تاکہ اسے ذرا افاقہ ہولے ۔ بمشکل دو چار دن ہی گذرے ہوں گے کہ حاکم کو سفر آخرت کا بلاوا آ گیا ۔ واقف لکھتا ہے :

''در عرصۂ دو سہ روز شاہ (حاکم) مرحوم از سرائے فانی بہ

نزہت کدہ جاودانی رفتند و ہمانجا بصد ہزار حسرت آن گنج معنی را زیرخاک کردم و خاک حسرت بر سر کردہ و روانہ شدم و بہ نواب ملحق گشتم ۔،،

نواب سے رخصت ہونے لگا تو اس جواں مرد نے گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں بھی جب کہ اس کے اپنے حالات نامساعد شکل اختیار کر گئے ہیں ، واقف اس کے دربار سے خالی لوٹتا ۔ چنانچہ حسب استطاعت مروت سے پیش آیا ۔ لیکن واقف کی توقعات کچھ زیادہ تھیں ۔ لکھتا ہے :

''نواب وقت رخصت چیز کمی کہ درخور ہمت ایشان و نہ جائزہ محنت من تواند بود فرستادند ۔،،

وطن لوٹا ، تو قرض خواہ تاک میں تھے ۔ زیادہ تر تو وہ سمیٹ لے گئے ۔ جو بچا ، وہ دو تین ماہ کے عرصہ میں اہل و عیال کی سود و بہبود پر خرچ ہو گیا ۔ پھر وہی واقف تھا اور تنگدستی ۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر سال بھر وہیں پڑا رہا ۔ اتفاقاً نواب بلند خاں ان دنوں ڈیرہ غازی خاں میں احمد شاہ درانی کی طرف سے حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے تھے ۔ واقف براستہ ملتان وہاں جا پہنچا ۔ پانچ ماہ وہ وہاں رہا ، ابتداء موسم سرما میں نواب سے طلبگار رخصت ہوا تو انہوں نے حسب معمول 'رخصتانۂ موافق قسمت ، سے نوازا ۔ مزید بر آں اہل شہر نے بھی کافی امداد کی ۔ سوء اتفاق سے راستہ میں بیمار پڑ گیا اور سفر کی فتوحات کا بیشتر حصہ علاج معالجہ کی بھینٹ چڑھ گیا ۔ گھر لوٹنے کی دیر تھی کہ قرضخواہوں نے گھیر لیا ۔ اور اگر کچھ بیماری کی دستبرد سے بچ گیا تھا وہ ان کی نذر ہو گیا ۔ مالی پریشانی اور بے سرو سامانی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ۔ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتا ، مایوسی اور ناداری کا عفریت منہ کھولے پھاڑ کھانے کو دوڑتا ۔ ایک سال اسی شش و پنج میں گذر گیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے ۔ ہر چند بڑھاپے کے ضعف اور ناداری کی پریشانی سے چلنے پھرنے کی سکت نہیں رہی تھی ۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا کمر ہمت باندھی اور پھر سے ملتان جا پہنچا لیکن افسوس کہ نواب بلند خاں معزول خدمت ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے ، لیکن آفرین ہے اس کی دریا دلی پر کہ مروت کی آنکھ موندنا گوارا نہ کی اور حسب سابق انعام و اکرام سے دریغ نہ فرمایا ۔ اس بھری دنیا میں

صرف نواب بلند خاں کی ذات گرامی ایسی تھی جس سے اس کی سب چھ ٹی بڑی امیدیں وابستہ تھیں - لیکن شومی قسمت سے وھاں بھی آن قدح بشکست و آن ساقی نماند ، والا معاملہ تھا - اب چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا - جس میں روشنی کی کرن کا سان گمان تک نہ تھا - ایسے ناسازگار حالات میں پتھر کا کلیجہ بھی پھٹ جاتا ھے - واقف تو انسان تھا اور بڑا ذکی الحس انسان - بیچارگی کی اس کیفیت کا نقشہ مندرجہ ذیل سطور کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیے - لکھتا ھے :

''حضرت من! ازان وقت که از جناب فیض ماب آن قبله جدا افتاده ام چه گویم—آرزوی دیدن جناب آن قدر است که بی اختیار دل برین می آید ، که جوگی و فقیر شده به خدمت برساند - لیکن نه رفیق دارم نه استطاعت ، به صد بیحواسی این چند سطر نا مربوط به قلم آمده - شعر و شاعری کرا بیاد بماند - این بساط طی شد ، شاه عبدالحکیم حاکم که متحرک این سلسله بودند ازین عالم رفتند ، وبعد ازیشان شیخ علی محمد تجرد بفاصله یک سال قضا کردند و در همان سال شیورام عاشق تخلص که علامه روزگار بود از جهان گذشت ، و سال گذشته لاله سیالکوٹی مل وارسته تخلص که مجموعه کمال نظم و نثر بود در ڈیره غازی خان جان سپرد، یاران همه رفتند و داغ فرقت اینها نصیب این جگر سوخته گردید -،،

بقول مؤلف تذکرہ عقد ثریا واقف نے سو سال کی عمر پائی - (۱)

Ivanow (۲) کے مطابق واقف ۱۲۰۰ھ (۱۸۸۶ء) میں فوت ھوئے - مولوی عبدالمقتدر (۳) کے نزدیک ان کی وفات ۱۱۹۵ھ میں ھوئی - حسین قلی خان اپنے تذکرہ ''نشتر عشق،، میں لکھتے ھیں کہ شاعر نے ۲۶ صفر ۱۲۰۲ ھجری کو داعی اجل کو لبیک کہا - شیخ اکرام الحق (۴) مطابق ''تاریخ وفات عام طور پر ۱۲۰۰ھ دی گئی ھے-،، ان بیانات کے ساتھ ساتھ تذکرہ ''عقد ثریا،، (۵) کے مؤلف کا قول

۱- تذکرہ عقد ثریا : ۶۰ -
۲- فہرست کتب خانۂ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۳۹۹ ، ۸۷۷ -
۳- کتب خانۂ بانکی پور ص ۴۲۴ -
۴- شعرالعجم فی الهند ص ۲۳۹ -
۵- ص ۴ -

غور طلب ھے جو کہتے ھیں کہ واقف نے سو سال عمر پائی - اس بیان کی روشنی میں واقف کی تاریخ پیدائش کو ۱۰۹۵ھ سے لیکر ۱۱۰۵ھ تک کے کسی سال میں قیاس کیا جا سکتا ھے -

تذکرہ گل رعنا کے تمام واقعات حرف بحرف سوائے مذکورہ بالا خط کے خزانۂ عامرہ کی نقل ھیں - چنانچہ مؤلف خود لکھتا ھے :

کہ تا این جا عبارت خزانۂ عامرہ است

خزانہ عامرہ میں مذکورہ بالا خط کا کہیں ذکر نہیں - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ جب یہ خط موصول ھوا تو جناب آزاد بلگرامی نے مؤلف گل رعنا کو اس خیال سے دیدیا کہ جب ضرورت پڑے ، استفادہ کر لیا جائے - بعد میں جب نورالعین کے حالات زندگی قلمبند کرنے بیٹھے ، یا تو خط کا خیال ھی ذھن سے اتر گیا اور یا تذکرہ مکتوب اس لیے ضروری نہ سمجھا کہ جب واقف کی ساری زندگی رنج و الم کا ایک غیر مختتم فسانہ ھے تو مکتوب میں کون سی نئی بات ھے جس کا ذکر کر کے اس قصہ کو خواہ مخواہ طول دیا جائے - یہ حسن اتفاق ھے کہ خزانہ عامرہ کی اس فرو گذاشت سے مؤلف گل رعنا نے فائدہ اٹھایا - اور مکتوب کو من وعن نقل کر دیا - انہیں مندرجات کی بنا پر گل رعنا کی اھمیت خاصی حد تک بڑھ جاتی ھے -

یہ عجیب اتفاق ھے کہ اس عہد کے اور بعد کے زمانے کے تذکروں نے واقف کے بارے میں سوائے خزانۂ عامرہ اور گل رعنا کے اگر کسی نے کچھ لکھا ھے تو مختصر اور تشنہ - (مذکورہ بالا واقعات زیادہ تر گل رعنا اور خزانہ عامرہ کے مندرجات پر مبنی ھیں -) خان آرزو اور حاکم دونوں واقف کے معاصر ھونے کے علاوہ اس کے رفقا اور قدر شناسوں میں سے ھیں - لیکن سوائے مذکورہ بالا سوانح کے ان کے یہاں اور کچھ نہیں ملتا ، بچپن ، جوانی ، تعلیم و تعلم دور کی چیزیں ھیں - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اگرچہ واقف صاحب دیوان تھا اور اس نے غزلیات کا ایک معتدبہ ذخیرہ یادگار چھوڑا - لیکن چونکہ وہ صاحب طرز شاعر نہیں اور نہ اس کے اشعار میں کوئی ایسی خصوصیت ھی ملتی ھے جو اسے معاصرین سے ممتاز مقام عطا کرے ، اس لیے اس کی حیثیت معاصر اور بعد کے تذکرہ نگاروں کی نگاہ میں ایک طومار نویس قافیہ پیما سے زیادہ نہیں ملتی - مغلیہ سلطنت کے سیاسی انحطاط نے ھر چیز کو

اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ۔ ظاہر ہے کہ نظیری اور عرفی ، طالب اور کلیم کے اعجاز کے سامنے واقف کے سحر سامری کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی ۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ واقف اپنی دھن کا پکا تھا ۔ مدح و ستائش ، صلہ و ایمان کی نہ تمنا تھی اور نہ پروا ۔ جہاں تک ذوق نے رہنمائی کی ، قلم گھسیٹتا چلا گیا اور اسی جنون و شوق کی کار فرمائی کہ وہ اتنا ضخیم مجموعہ کلام بطور علمی یادگار چھوڑ مرا ۔

واقف کا اسلوب بیان رواں ، دواں ، سہل اور سادہ ہے ۔ چونکہ پر نویس تھا ۔ اس لئے بھرتی کے اشعار کی بھرمار ہے ۔ صفحے پر صفحے الٹتے جائیے ، ہر طرف ایک ہی سماں ہے ، اور ایک ہی رنگ ۔ گیرائی اور گہرائی سے جو شعر کی جان ہے اس کا اکثر کلام معریٰ ہے ۔ طویل غزلیں ، بے جان کافیے ، اور بے روح ردیفیں پڑھ کر ذوق یاد آتا ہے کہ بیچارہ ساری عمر خامہ فرسائی کرنے پر بھی ''استاد شاہ،، کہلانے کی منزل سے آگے نہ نکل سکا ۔

حاکم نے واقف کے بارے میں حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے :

''افکار آبدارش خیلے موثر و بدرد است ، معانی بلند و پاکیزہ ، الفاظ شستہ و ادائیگی کلامش روان را تازگی مے بخشد ۔ بالفعل باین طور شعر گفتن خاصہ ی اوست ، حد دیگری نیست هر چند خان آرزو ستائش میر شمس الدین فقیر در مجمع النفائس بسیار کردہ ، لیکن انصاف این است ، کہ این عزیز روشن دل شمس الدین پنجاب است ۔،، (۱)

اگر حاکم کی یہ رائے حقیقت پر مبنی ہے اور ادائے حقوق دوستی کے جذبے کا اس رائے کے قیام میں کوئی دخل نہیں تو مجھے اپنے قصور فہم کا اعتراف کر لینا چاہئے ۔ کیونکہ واقف کے ہاں نہ بلندیٔ خیال ہے نہ طرز ادا کا تیکھا پن خیالات پیش پا افتادہ اور اسلوب از بس پھیکا اور بے کیف ہے ۔ روانی ، سادگی اور سلاست سے انکار نہیں ۔ لیکن جب تک خیال میں ندرت ، شوخی اور بانکپن کے اوصاف ثلاثہ نہ پائے جائیں ، شعر جاذبیت اور کشش کی خوبی سے محروم رہتا ہے ۔

۱- تذکرہ مردم دیدہ : ۱۱۵ ۔

اور ظاہر ہے کہ نثر اور نظم میں یہی خوبی مایۂ امتیاز شمار ہوتی ہے ۔ حاکم آگے چل کے لکھتا ہے :

''دیوانی قریب بہ شش هفت هزار بیت ترتیب دادہ و قصائدهم دارد ، ترجیع بندی در کمال فصاحت و بدرد گفتہ ظاهراً چنین ترجیع بند از قدما هم کس کم گفتہ باشد ، عاشق غزل استاد رباعی هم خوب میگوید ، و هرچہ میگوید ناخن بدل می زند ۔،، (۱)

مذکورۃ الصدر ترجیع بند دیوان کے آخر میں ہے اور کافی طویل ہے ۔ ہر بند کے پانچ مصرعے ہیں ۔ پانچواں مصرعہ جو ہر چار مصرعوں کے بعد دہرایا گیا ہے ، حسب ذیل ہے :

ترا من با وفا دانستہ بودم

واقف کا کلام ہمواری اور یکسانیت کے وصف میں ضرور بے مثال ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جونہی واقف نے شعر کہنا شروع کیا ۔ چند ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد اس کی ترقی رک گئی ۔ اس کے بعد جو کچھ اس کے قلم سے نکلا اس کے خدو خال میں کوئی تنوع پیدا نہ ہو سکا ۔ تذکرہ عقد ثریا میں مذکور ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا ، تو جان نثاروں کے اس گروہ میں کچھ با ذوق اہل علم بھی شامل تھے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب واقف کی شہرت اکثر اطراف ہند میں پھیلی ہوئی تھی ۔ چنانچہ ان با ذوق لوگوں میں سے مرزا عبدالباری لاری ، اللہ وردی خاں محزوں ، حسرت اور اسطرح کے کئی اصحاب نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر واقف کے دیوان کی نقول حاصل کیں اور نہایت ذوق و شوق سے بطور تحفہ کے اپنے ساتھ لے گئے ۔ یہ انہیں باکمال لوگوں کے طفیل تھا کہ ہرات تک بھی واقف کی شہرت پھیل گئی ۔،، (۲)

واقف کے اخلاق و عادات کے بارے میں صاحب تذکرہ لکھتے ہیں :

''در پرہیزگاری و متابعت سنت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام بجان میکوشد ، کم اختلاط و کم دماغ و بی نیاز و آزاد و غنی دل است ، در پاس آشنائی و اخلاص یکہ روزگار ،

۱- تذکرہ مردم دیدہ : ۱۱۵ ۔

۲- تذکرہ مردم دیدہ : ۱۱۵ ۔

طبع هموار و نرمی گفتار و کم گوئی خاصه اوست ـ طورش علیحده از طور برادران و اقربا ست فقیر باهمه وحشت مزاج صید دام خلق و اخلاص او بوده‌ام،، (۱)

تذکرہ نویسوں نے واقف کے دیوان سے کچھ اشعار بھی انتخاب کرکے درج تذکرہ کیے ھیں ـ صاحب مجمع النفائس نے اکیس اور منصف خزانہ عامرہ نے ٦۵ اشعار پسند فرمائے ھیں ـ حاکم کا انتخاب طویل تر ھے جو ۳۲ صفحات پر حاوی ھے ـ اس انتخاب میں چند رباعیاں بھی شامل ھیں ـ سفینۂ ھندی کا انتخاب صرف گیارہ اشعار پر مشتمل ھے ـ

حوالہ جات

۱- مجمع النفائس (قلمی) از خان آرزو (نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری) — از ۱۰۲۲—۱۰۲۵

۲- خزانۂ عامرہ از آزاد بالگرامی — از ۳۵۰—۳۵۵

۳- تذکرہ مردم دیدہ از عبدالحکیم حاکم مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی — از ۱۱۳—۱۳۸

۴- مخزن الغرائب (قلمی) از احمد علی نسخہ دانش گاہ پنجاب — ورق ۳۵٦

۵- گل رعنا (قلمی) از شفیق اورنگ آبادی نسخہ دانش گاہ پنجاب — ورق ۲۹٦—۳۰۰

٦- تذکرہ عقد ثریا از مصحفی مطبوعہ انجمن ترقی اردو — صفحہ ٦۰

۷- سفینۂ ھندی از بھگوانداس مطبوعہ پٹنہ ۱۹۵۸ء — ۲۳۱—۲۳۲

۱- تذکرہ مردم دیدہ : ۱۱۵